اداریہ

خورشید احمد ندیم

دورِ جدید کی تفہیم میں دو باتیں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک یہ کہ تہذیبی و علمی اعتبار سے اب ہم جزیرہ بنا کر نہیں رہ سکتے۔ جنگ عظیم دوم کے بعد کھینچی گئی سرحدیں اگرچہ آج بھی باقی ہیں لیکن علم و فلسفہ اور تہذیب و تمدن کے معاملہ میں یہ بے معنی ہو گئی ہیں۔ ان میدانوں میں دنیا کے دوسرے حصوں میں جو کچھ ہو رہا ہے، ہم ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آج مسابقت کی ایک فضا قائم ہو چکی ہے، جس میں ہمیں غالب فکر و فلسفے کو یا تو تسلیم کر کے آگے بڑھنا ہے یا پھر اس کے متبادل کے طور پر کوئی دوسرا نقطۂ نظر پیش کرنا ہے۔ اسے آپ عالمگیریت کا جبر کہہ سکتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ آج فکر و فلسفہ اور تہذیب و تمدن کا سفر مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ پچھلے کئی عشروں سے مشرق مغرب کو کچھ دے نہیں پایا۔ کم و بیش تین عشرے قبل سلیم احمد مرحوم نے اپنی ایک معرکہ آرا نظم کے لیے ''مشرق ہار گیا'' کا عنوان باندھا تھا۔ اس نظم میں اٹھائے گئے مباحث یقیناً آج تبدیل ہو گئے ہیں، لیکن اس کا عنوان بدستور آج بھی اسی طرح ہمارے عہد سے متعلق ہے۔ ہم اگر صرف اہل اسلام کے حوالے سے اس معاملہ کو دیکھیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ خود اسلامی علوم، تہذیب اور عالم اسلام پر بنیادی تحقیقی کام مغرب میں ہو رہا ہے اور ہماری حیثیت بڑی حد تک خوشہ چین کی ہے۔

آج اگر مسلمانوں کی طرف سے احیاء اور مسابقت کا کوئی عمل شروع ہوتا یا آگے بڑھتا ہے تو اس کے لیے ان دو امور کا ادراک ناگزیر ہے۔ پہلی بات کے فہم میں زیادہ مشکل نہیں کیونکہ ''عالمگیریت'' سے ہر کسی کو آئے دن کسی نہ کسی حوالے سے پالا پڑتا ہے۔ تاہم دوسری بات ایسی ہے، جو اپنے اندر تنوع رکھتی ہے اور اس ضمن میں ہمارے ہاں ہونے والی بحث سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس باب میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ''اجتہاد'' کا دوسرا شمارہ اس مطالعے کے لیے خاص کیا گیا ہے۔

اس ضمن میں سب سے پہلے جو سوال زیر بحث لانا چاہیے، وہ یہ ہے کہ مغرب سے ہماری مراد کیا ہے؟ کیا یہ کوئی جغرافی شناخت ہے؟ کیا امریکہ ''مغرب'' ہے؟ کیا یہ ایک تہذیب ہے؟ کیا یہ کسی مذہب کا نام ہے؟ یہ تو وہ سوالات ہیں جو مغرب کو مجرد مفہوم میں لینے سے اٹھتے ہیں۔ بعض سوالات وہ ہیں جو اس وقت پیدا ہوتے ہیں، جب ہم مغرب کو اسلام کے بالمقابل ایک اصطلاح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

اس صورت میں پھر یہ سوال بھی اہم ہو جاتا ہے کہ اسلام سے ہماری کیا مراد ہے؟ مثال کے طور پر جب ہم اسلام اور مغرب کو متصادم قرار دیتے ہیں اور اسلام کو مذہب سمجھتے ہیں تو پھر لازماً اس تصور میں مغرب بطور مذہب سامنے آتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم اسلام کو ایک تہذیب قرار دیتے ہیں، تو پھر مغرب ایک تہذیب کا عنوان بن جاتا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے۔ مغرب کا کوئی حوالہ اسلام کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ آج اسلام، اگر ہم مغرب کو جغرافی مفہوم میں لیں، تو وہاں کا دوسرا بڑا اور سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب ہے۔ اس پھیلاؤ کے کئی اسباب ہیں۔ سب سے بڑا سبب ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہے، جو مسلمان دنیا سے ترک وطن کر کے مغربی ممالک میں آباد ہو رہے ہیں۔ یہ لوگ جب اپنی مذہبی شناخت کے ساتھ وہاں مقیم ہیں تو لازماً مغرب کے تہذیبی تشخص پر اثر انداز ہو رہے ہیں اور اس خطے کا جو تہذیبی رنگ ابھر رہا ہے، اس میں لازماً صبغۃ الاسلام کی آمیزش ہے۔ گویا جب ہم اسلام اور مغرب، دونوں کو تہذیبی مفہوم میں لیتے ہیں، تو انہیں باہم متصادم قرار دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم اسلام کو ایک مذہب کے طور پر لیں اور اسے مغرب سے متصادم سمجھیں تو پھر ہمیں بطور مذہب ''مغرب'' کی تعریف کرنا پڑے گی۔ یعنی جس طرح اسلام اور عیسائیت وغیرہ مذاہب ہیں، ہمیں یہ بتانا ہوگا کہ مغرب کے بحیثیت مذہب خدوخال کیا ہیں؟ یہی معاملہ اہل مغرب کا ہے کہ وہ جب اسلام کو مغرب کے حوالے سے زیر بحث لاتے ہیں، تو یہ دیکھنا ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اسلام سے کیا مراد لے رہے ہیں؟

''اجتہاد'' کے زیر نظر شمارے میں یہ موضوع بطور خاص ڈاکٹر ممتاز احمد کے مضمون میں زیر بحث آیا ہے، جس میں انہوں نے اسلام اور مغرب کے مفاہیم میں موجود اس تنوع کو بیان کیا ہے اور پھر یہ بتایا ہے کہ کس طرح کسی لکھنے والے کے ذہن میں موجود تصور، اس کے بیان کردہ فلسفے اور خیال پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اسلام اور مغرب کے ضمن میں جاری یہ بحث فی نفسہ سیاسی ہے۔ اس تصور کو جناب اصغر علی انجینئر نے اپنے مضمون میں آگے بڑھایا اور یہ اس مذاکرے کا بھی ایک اہم پہلو ہے، جس کی تفصیلی روداد اس شمارے میں شامل ہے۔

بعض لوگ مغرب کو جدیدیت کے ہم معنی سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مغرب میں اصلاح مذہب کی جو تحریک اٹھی اور جس کے اہم مظاہر سیکولرازم اور جمہوریت ہیں اور جس کے تحت وحی کے بجائے عقل کو انسانی معاملات کی تنظیم میں حاکم قرار دیا گیا ہے، اس حوالے سے مغرب ایک دین کے ہم معنی ہے۔ اس تصور کو سامنے رکھیے، تو یہ سوال اٹھتا ہے کہ خود وحی کی تفہیم میں کیا عقل انسانی کا کوئی کردار ہے اور پھر یہ کہ عقل اور وحی کا باہمی تعلق کیا ہے؟ اس حوالہ سے کیا فہم اسلام میں عقل کا کوئی استعمال ہے؟ ڈاکٹر تماراسون نے ''اسلام، مغرب اور جدیدیت'' میں اس سوال کو اٹھایا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔

اسلام اور مغرب کی بحث میں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ مذہب کے کثیر المدنی معاشرے میں مقیم مسلمان جن مسائل سے پہلی بار دوچار ہوئے ہیں، دین اس ضمن میں انہیں کیا رہنمائی فراہم کرتا ہے؟ اس اختلاط نے ہجرت، دارالحرب اور دارالاسلام اور اس بارے میں رائج تمام فقہی اصطلاحوں کی تفہیم نو کی ضرورت کو اجاگر کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد خالد مسعود نے اپنے اہم مقالے میں ان کا احاطہ کیا ہے، جس سے ان تمام مسائل کا ایک نیا تناظر ہمارے سامنے آتا ہے۔ ''مغرب میں اہل اسلام'' کے عنوان سے جس مذاکرے کی روداد شامل اشاعت ہے، اس سے بھی اس مسئلے کے کئی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

اسلام اور مغرب کے مطالعہ میں ہمارے لیے یہ بات بطور خاص اہم ہے کہ مغرب کے اہل علم اسلام اور مغرب کے موضوع پر کیا رائے رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد وسیم اور ڈاکٹر محسن نقوی کے مضامین سے مغرب کے علمی رجحان کی ایک بڑی حد تک مکمل تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر طاہر امین کا مضمون بھی اہم ہے۔ ان مضامین کے مطالعے سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ تمام اہل مغرب اسلام کے بارے میں ہم خیال نہیں۔ اگر کسی کی طرف سے تہذیبوں کے ممکنہ تصادم میں اسلام کو فریق قرار دیا گیا ہے تو بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اس مقدمے سے اتفاق نہیں کرتے۔

مغرب میں ہونے والے بعض واقعات بھی ایسے ہیں، جنہیں صحیح تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حالیہ تاریخ میں سلمان رشدی کے ناول ''شیطانی آیات'' کی اشاعت سے لے کر پوپ بینڈکٹ کی تقریر تک، کئی ایسے واقعات ہوئے ہیں، جنہوں نے مسلمانوں میں اشتعال پیدا کیا ہے۔ یہ واقعات مغرب کے عمومی رویے کے ترجمان ہیں یا ایک اقلیتی گروہ کا شاخسانہ؟ عیسائی مذہب کے سب ہی ماننے والے کیا اس سے اتفاق کرتے ہیں اور کیا یہ مغرب کی عمومی اسلام دشمنی کے عکاس ہیں؟ یہ سب سوالات جواب طلب ہیں اور اسلام اور مغرب کے حوالے سے جاری بحث کو نہیں سمجھا جاسکتا، اگر ہم ان واقعات کے صحیح تناظر سے آگاہ نہ ہوں۔ ''سلمان رشدی کا قصہ'' اور پھر ''نقد وتبصرہ'' کے ذیل میں شامل مضامین بڑی حد تک ان سوالات کے جوابات فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر جان ایسپوسیٹو کے مضامین بھی بہت اہم ہیں، جن سے مغرب کے اہل علم کا وہ زاویۂ نگاہ سامنے آتا ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہمدردانہ رویے پر مبنی ہے۔

اسلام اور مغرب کے حوالے سے چونکہ پروفیسر سموئیل ہنٹنگٹن کا تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے، اس لیے ان کی معروف کتاب کی تلخیص بھی کردی گئی ہے، تاکہ موضوع کا یہ پہلو تشنہ نہ رہے۔

اس شمارے میں اس بات کی شعوری کوشش کی گئی ہے کہ ''اسلام اور مغرب'' کے باب میں جو اہم مباحث ہیں، ان کا ایک حد تک احاطہ کردیا جائے تاکہ ایک عام پڑھے لکھے آدمی کو بھی موضوع کی تفہیم میں آسانی ہو۔ اور وہ پورے اعتماد کے ساتھ اس بحث میں شریک ہوسکے۔ واقعہ یہ ہے کہ عام آدمی کی سنجیدہ مباحث میں شرکت معاشرے کے ارتقاء کے لیے ضروری ہے۔ یہ اس لیے بھی لازم ہے کہ ایک مسئلہ کا ادھورا علم صحیح نتائج تک پہنچنے میں مانع ہوتا ہے۔ ''اجتہاد'' کے اجرا میں اس بات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ معاشرے کے علمی ارتقاء میں آزادانہ غور وفکر بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور یہ جریدہ اس موضوع کے حصول کی ایک کوشش ہے۔ اس کی اشاعت سے مقصود کسی خاص نقطۂ نظر کو آگے بڑھانا نہیں، بلکہ عامۃ الناس کو وہ علمی ماحول فراہم کرنا ہے، جو آزادانہ اور صحیح رائے کے قیام کے لیے ناگزیر ہے۔ امید ہے کہ ''اسلام اور مغرب'' کے موضوع پر اس شمارے کے مندرجات مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرنے میں معاون ہوں گے۔

''اجتہاد'' کے اس شمارے میں دیگر مستقل عنوانات کے تحت بھی اہم مضامین شامل ہیں۔ ''عالم اسلام اور اجتہاد'' میں اس بار انڈونیشیا کو موضوع بنایا گیا ہے۔ انڈونیشیا کو فکری اعتبار سے اگر دور حاضر کا سب سے بیدار اور متنوع مسلمان معاشرہ قرار دیا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ شامل اشاعت مضامین سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ انڈونیشیا میں لوگ درپیش مسائل پر کس طرح سوچ رہے ہیں۔ سیاسی اور سماجی معاملات میں مذہب اور روایت کے درمیان کیسے توازن قائم کیا جارہا ہے اور وہاں کی مذہبی جماعتیں معاشرتی تعمیر میں کیا کردار ادا کررہی ہیں۔ اسی طرح قانون سازی کے باب میں مذہب کے کردار کو بھی ان مضامین کے مطالعہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی سرگرمیاں اور سفارشات وغیرہ بھی اس شمارے میں شامل ہیں۔ ان کے ساتھ ''زبان خلق'' کے عنوان سے مندرجات میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا گیا ہے، جس سے یہ جانا جاسکتا ہے کہ ''اجتہاد'' اور اسلامی نظریاتی کونسل کے بارے میں قومی سطح پر کس طرح کی آراء سامنے آرہی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک بند معاشرہ اس جوہڑ کی مانند ہے، جس سے فکری پیاس نہیں بجھائی جاسکتی۔ ''اجتہاد'' اس بات کا پیغام ہے کہ غور وفکر اور تبادلۂ خیال ہی وہ واحد عمل ہے، جس سے نئے خیالات سامنے آئیں گے اور نئے خیالات ہی نئے جہانوں کا پتہ دیتے ہیں۔

جہانِ تازہ کی فکر تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا